جناب مصنطر عباسی ایم۔ اے

زیڈ۔ اے۔ سلہری اور علمائے حق کی مخالفت ؟

سلہری تاریخ کے آسمان پر آخر کب تک تھوکنے کی سعی کرتے رہیں گے۔

ہمارے ہاں ایک خاص ذہن کے لوگ علمائے حق کی مخالفت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی فکر میں ہیں۔ یہ لوگ کوئی نہ کوئی بات نکال لاتے ہیں، جس کو عنوان بنا کر علمائے حق کو گالیاں دینے اور انہیں پاکستان کے قیام کا مخالف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ معاشرے کے مختلف شعبوں میں نظر آتے ہیں۔ کہیں صحافت کی مسند سجاتے اور کہیں درس و تدریس کا دھندا چلاتے ہیں، سیاست کے بازار میں بھی منڈی کے بھاؤ کے ساتھ ساتھ متحرک نظر آتے ہیں۔ اور نام نہاد دانشوروں میں بھی اپنی ساکھ جمائے بیٹھے ہیں۔ ان کا مذہب سے واجبی سا تعلق بھی نہیں نماز روزہ ان کے ہاں سالہا سال کی پرانی باتیں ہیں۔ شکل و صورت میں مغرب کے دہریئے اور رسم و رواج میں بھارت کے برہمن معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن علمائے حق کی مخالفت اور انہیں گالیاں دینے میں ایسا لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں کہ گویا دینِ اسلام، سنتِ محمدیﷺ اور اسلامی اقدار و روایات کے حامل اور پرستار صرف یہی لوگ ہیں۔

یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔؟ میری ناقص رائے کے مطابق یہ لوگ ۱۹۴۷ء سے پہلے برطانوی سامراج کے زر خرید غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے آباؤ اجداد نے ملت فروشی اور وطن سے غداری کے ناقابل معافی جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ ان لوگوں نے تحریک آزادی میں نہ صرف یہ کہ حصہ نہیں لیا بلکہ اسکی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ ان کے ضمیر مردہ اور دل سیاہ ہیں۔ اب نئی نسل کے نوجوان سکولوں کالجوں کے طلبہ اور سیاسی جماعتوں کے نوجوان کارکن ان سے پوچھتے ہیں کہ جب علمائے حق دار و رسن کے مراحل سے گذر رہے تھے۔ جب کالا پانی اور بحر سند کے جزیروں میں آزادی کے جانباز سپاہی تڑپ تڑپ کر جانیں قربان کر رہے تھے۔ جب مالٹا میں غازیانِ صف سامراج سے گستاخی کے جرائم میں سزا کے دن کاٹ رہے تھے۔ جب ملتِ اسلامیہ کی دیرینہ یادگار خلافتِ عثمانیہ

کے بچاؤ کی کوشش میں آزادی کے پروانے دیوانہ وار جانیں لڑا رہے تھے، اور جب ہجرت کی تحریک چلا کر حریت پسند برطانوی اقتدار کی جڑیں کاٹ رہے تھے۔ اس وقت آپ، آپ کے آباد اجداد، آپ کے سیاسی لیڈرانِ کرام اور آپ کے پیشوایانِ محترم کہاں تھے۔؟ کیا کر رہے تھے۔؟ غرض جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کون کیا کر رہا تھا۔ اور تم کس کے ساتھی اور کس کے مخالف اور دشمن تھے۔؟ تو اس سوال کا جواب نہ پاکر اپنی خفت دور کرنے اور چہروں کی سیاہی دھونے کیلئے یہ لوگ ایک نیا اندازِ گفتگو اختیار کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ:

"ہم علماء کے ساتھ نہ تھے اس لئے کہ علماء کی راہ غلط اور ان کی سوچ نامکمل اور ان کی فکر درست نہ تھی۔"

ایسا کہتے ہوئے انہیں احساس نہیں ہوتا کہ پوچھنے والے کا مقصد علماء کی سوچ اور فکر کے بارے میں ان لوگوں کی رائے معلوم کرنا نہیں بلکہ ان کی ذات کے بارے میں دریافت کرنا ہے۔ آپ کا رویہ اور طریق کار کیا تھا۔ آپ انگریزوں کے نمک خوار ملازم کیوں تھے۔ آپ نے وطنِ عزیز کی آزادی اور استقلال کیلئے کوشش کیوں نہ کی۔ آپ نے وقتی اور ذاتی مفادات کو دائمی اور قومی مفادات پر ترجیح کیوں دی۔؟

حاصل کلام یہ کہ یہ لوگ جو آجکل علمائے حق کے خلاف ایک مہم چلائے ہوئے ہیں۔ اور موقع و بے موقع ان کی تنقیص کرتے اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ ان کا مقصد اپنی کمزوریوں بلکہ غداریوں اور ملت فروشیوں پر پردہ ڈالنا اور نئی نسل کے نوجوانوں کے سامنے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ آج کالج کا ایک نوجوان پوچھتا ہے۔ صاحب بتائیں سر سید ہمارے سیاسی راہنما تھے۔ آغا خان مرحوم ہمارے لیڈر تھے۔ علامہ اقبالؒ ہمارے ہیرو تھے۔ سر سکندر ہمارے محترم بزرگ تھے فضل حسین ہمارے قائد تھے، لیکن ان میں سے کسی نے آزادی کی خاطر جیل نہیں دیکھی۔ کوڑے نہیں کھائے، جائیداد ضبط نہیں کرائی۔ امریکہ۔ فرانس۔ روس۔ چین۔ کوریا۔ ویت نام اور بیشمار عرب اور افریقی ممالک کے عوام نے سامراج سے آزادی حاصل کرنے میں جان اور مال کی قربانیاں دی ہیں۔ ہزاروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ لینن اور سٹالین نے اپنی ہی قوم کے جابر حکمرانوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے سالہاسال تک خفیہ رہ کر زیر زمین تحریکیں چلائیں عدالتوں سے موت کی سزائیں پانے کے باوجود مفرور رہ کر کام کرتے رہے۔ ماؤ نے لانگ مارچ کیا تو قوم کو آزادی ملی۔ آخر ہمارے ان لیڈرانِ کرام نے اس قسم کی قربانیوں کے بغیر آزادی کیسے حاصل کرلی ہے۔ کیا برطانوی سامراج عدل و انصاف کے تقاضوں کا پابند تھا، کہ جونہی ان لوگوں نے دلائل سے برصغیر پاک و ہند کے حقِ حریت و استقلال کو ثابت کیا تو انہیں آزادی دیدی۔

اگر ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ایسا ہوا کرتا ہے۔ بلکہ آزادی کے حصول کے لئے قربانیاں دی جاتی ہیں۔ بے گناہ عوام سے پہلے لیڈروں اور راہنماؤں کو دار و رسن کے مراحل سے گذرنا ہوتا ہے۔ اور یوں خونِ صد ہزار انجم کے بعد نمودِ سحر کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور ہمیں اپنے لیڈرانِ کرام میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ جس نے جان و مال کی قربانی بجائے خود آزادی اور استقلال کے مطالبے پر دستخط بھی کئے ہوں اور جب صورتِ حال یہ ہے، تو چالیس کروڑ انسانوں کی آزادی کا راز کیا ہے، وہ کون سا معجزہ تھا جس نے برصغیر پاک و ہند کو آزادی دلادی ہے۔

کالج کا استاد اور پروفیسر اپنے عزیز شاگرد کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور اگر دیگا تو اسے صاف گوئی سے کام لیکر اس حقیقت کا اقرار کرنا ہوگا۔ کہ ہمارے نصاب میں تاریخ کے عنوان اور خاص کر تاریخ آزادئ وطن کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں حقیقت کو مسخ کرنے کی دانستہ کوشش کی گئی ہے۔ یہ استاد اور پروفیسر مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنے ذہین اور نکتہ دان شاگرد کو نصاب کی کتاب بند کرکے زبانی درس دے اور آخر میں یہ کہہ دے کہ برخوردار یہ جو کچھ میں نے کہا ہے، اس کا امتحان سے کوئی تعلق نہیں۔ امتحان تو اسی کتاب سے ہوگا جس میں تاریخ کے آسمان پر تھوکنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد نیاز مند (راقم) قارئینِ کرام کو روزنامہ نوائے وقت میں زیڈ۔ اے سلہری کے نام سے شائع ہونے والے ایک مضمون کی غلط بیانیوں اور بہتان تراشیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ سلہری صاحب کے مضمون کا عنوان ہے "محکوم اسلام، مخلوط اسلام اور مکمل اسلام" ۶ نومبر ۱۹۷۶ء کے پرچے میں اس مضمون کی آخری قسط شائع ہوئی ہے۔ سلہری صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا حسین احمد اور دوسرے نیشنلسٹ علماء نے جو نظریہ پیش کیا۔ اس سے دو خدشات ابھرتے تھے۔ یا تو علماء نظام اسلام سے نماز روزے کے سوا اور کچھ مراد نہیں لیتے یا انہیں اس امر کا کوئی درک نہ تھا کہ نظام اسلام قوتِ نافذہ کا متقاضی ہے۔ اور جب حکومت اکثریت اور غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہو تو نظامِ اسلام کے لئے قوتِ نافذہ کہاں سے حاصل ہوگی۔ اگر یہ خدشہ بے بنیاد تھا کہ علماء اسلام کو صرف نماز روزے تک محدود سمجھتے تھے۔ تو پھر یہ خدشہ درست تھا کہ انہیں دورِ حاضر کی قومی سیاست کا پتہ نہ تھا۔"

سلہری صاحب کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ:

۱۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار میں دو خامیوں میں سے ایک ضرور تھی۔

۲۔ یا تو مولانا اور آپ کے ساتھی صرف نماز اور روزے کو دینِ اسلام خیال کرتے تھے۔

۳۔ اور یا انہیں سیاسی شعور نہ تھا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت مدنی مرحوم اور آپ کے رفقاء نماز اور روزے کی اہمیت کے ساتھ ساتھ پورے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں تھے۔ اور آپ کی کوشش صحیح سمت اور درست راہوں پر تھی، آپ کو سیاسی شعور تھا۔ اور بہت سوں کے مقابلے میں آپ کی سیاسی بصیرت زیادہ واضح اور روشن تھی۔

گذشتہ ایک صدی کے اخبارات رسائل کتابیں اور ملک کی سیاسی جماعتوں کا ریکارڈ اس حقیقت کا شاہد عادل ہے کہ حضرت مدنیؒ آپ کے اسلاف اور رفقاء کار ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے برصغیر میں یہ آواز اٹھائی تھی کہ محض نماز اور روزے کی آزادی کا حاصل ہو جانا مسلمانوں کیلئے کافی نہیں۔ یہ وہ دور تھا جب سلہری صاحب جیسے قلم کار فرمایا کرتے تھے کہ انگریز بہادر کے زیر سایہ ہمیں نماز روزے کی آزادی ہے۔ ہم اذان کہہ سکتے ہیں اور اپنے مُردوں کو اسلامی آداب کے مطابق دفن کرنے کی ہمیں آزادی ہے۔ اس لئے اس حکومت کی مخالفت محض فساد اور شر انگیزی ہے۔ اور یہ لوگ جو کبھی خلافت کی تحریک چلاتے ہیں اور کبھی ہجرت کے نام پہ لوگوں کو برگشتہ کرتے ہیں، یہ فساد فی الارض کے عظیم جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ یقین نہ ہو تو سرسید کے مقالات اور تہذیب الاخلاق کے اوراق پلٹ کر دیکھ لیں۔ گویا سلہری صاحب کا یہ الزام کہ حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار صرف نماز اور روزے کو اسلام تصور کرتے تھے، نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ اپنے اس الزام کی زد میں آتے ہیں۔

رہا سیاسی شعور کا سوال سو حالات نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار کی سیاسی رائے درست تھی۔ اور دوسرے لوگ جس بات کے مدعی تھے وہ ٹھوس بنیادیں نہیں رکھتی تھی۔ سلہری صاحب شکایت کرتے ہیں کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ نہیں کیا گیا اور حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار فرماتے تھے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے علی گڑھ نہیں دیوبند جیسے مراکز کی ضرورت ہے۔ اور آج حالات نے حضرت مدنیؒ کی اس بات کی تصدیق کر دی کہ علی گڑھ جیسے مراکز اسلام کے نفاذ میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ بھلا جو لوگ انگریزوں سے آزادی کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتے تھے ان سے علماء حضرات یہ توقع کیسے کر سکتے تھے کہ یہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی اہلیت رکھتے ہیں۔ بات پھر لینن، سٹالین اور ماؤ تک جا پہنچی، اگر ان لوگوں نے

اپنے اپنے ملکوں میں صرف معاشی تبدیلی لانے کیلئے بے پناہ قربانیاں دی ہیں تو دین اسلام جسکی حدود اور وسعتیں سوشلزم کے مقابلے میں کہیں گہری اور دور تک ہیں کے نفاذ کیلئے محض ایک قرار داد کا پاس کر دینا کافی نہیں تھا۔

آج کا نوجوان پوچھ سکتا ہے کہ پاکستان کی تحریک چلانے اور انگریزوں سے آزادی کے لئے مؤدبانہ درخواست کرنے والوں نے پاکستان میں اسلام کے نفاذ اور اسلامی نظام کو چلانے کے لئے کارکن تیار کرنے میں کیا خدمات سرانجام دی ہیں۔؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ دنیا بھر کے اشتراکی لیڈروں نے اشتراکی حکومتوں کے قیام کے لئے انقلابی جدوجہد سے بھی پہلے ایسے کارکن اور ورکرز تیار کئے تھے جو انقلاب کے بعد ملک کی قیادت اور اشتراکی نظام کے نفاذ کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے، اور یہی سنت ہے ہمارے رسول اکرمؐ کی کہ آپ نے فتح مکہ تک کارکنان کی تیاری میں رات دن محنت فرمائی۔ اگر تحریک پاکستان کے لیڈروں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کارکنوں کی تیاری کو ضروری نہیں سمجھا تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان کی نظروں میں سیاسی اعتبار سے ملک کو آزاد کرانا تھا کہ پہلے یہ لوگ ملک اور خاص کر مسلمانوں کی غربت و افلاس کے خلاف کوشاں تھے۔ اور رہی بقول سلہری صاحب "اسلام کے نفاذ کے لئے قوتِ نافذہ" سو یہ زیر بحث بات نہ تھی۔

اس حد تک تو الزامی جواب تھا سلہری صاحب کے فرضی خدشات کا جو انہوں نے حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب آئیے حقیقت واقعی کی طرف سلہری صاحب اسلام کی ہمہ گیر قوت اور اسکی عالمگیر حیثیت سے ناواقف نظر آتے ہیں۔ انہیں صرف ان علاقوں میں اسلام نظر آتا ہے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، شاید وہ آج بھارت میں آباد دس کروڑ روس میں بسنے والے چھ کروڑ اور چین میں آباد سات کروڑ مسلمانوں کے بارے میں بدظن ہیں کہ خدانخواستہ ان لوگوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان تین قسم کے علاقوں میں آباد ہیں ایسے علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت اور حکومت ہے۔ ایسے علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لیکن حکومت نہیں۔ اور ایسے علاقے جن میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اسلام ایسے علاقوں سے ہجرت کی تعلیم دیتا ہے، جن علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور انہیں شعائرِ اسلامی پر عمل کی اجازت اور آزادی حاصل نہیں۔ ورنہ اسلام ہجرت کو پسند نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے کہ مسلمان دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائیں اور اپنے اعمال و کردار سے نیز فکر و نظر سے خلق خدا کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ کیا بھارت میں تمام غیر مسلموں کو ایک قوم مان کر ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی اقلیت کا نعرہ لگانا اور پھر مسلمانوں کی اقلیت کو الگ

وطن کے قیام اور ایک گونہ ترک وطن کی رائے دینا بہتر تھا یا یہ بہتر تھا کہ انہیں کہا جائے کہ پورے ملک میں اپنے اعمال، کردار، اخلاق، برتاؤ نیز فکر و نظر میں تبدیلی کے ذریعے غیر مسلم اقوام یا قبائل کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔

اگر لینن اور سٹالین روس کے بیس کروڑ انسانوں کو بالشویکزم کی دعوت دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر ماؤ چین کے ستر کروڑ عوام کو اشتراکیت کی طرف بلا سکتا ہے اور اگر کاسترو امریکہ کے قریب رہ کر اپنے ملک کے عوام ہی کو نہیں پورے لاطینی امریکہ میں سوشلزم کی تبلیغ کر کے انہیں سوشلسٹ بنا سکتا ہے تو کیا مسلمان بھارت کے عوام کو جو اپنے اپنے مذاہب سے پہلے ہی جان چھڑانے کی کوشش میں تھے، اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف دعوت نہیں دے سکتے تھے۔؟ اور کیا وہ اسلام جس کی مقناطیسی قوت نے برصغیر کے کروڑوں انسانوں کو اپنے اندر جذب کیا۔ اب ختم ہو گئی تھی۔ اور باقی ماندہ اقوام اور قبائل کا اسلام کی طرف آنا ناممکن ہو چکا تھا۔ اور اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تھا، بلکہ اسلام اپنی پوری قوت اور صلاحیتوں کے ساتھ زندہ ہے، تو ملک تقسیم کر کے اسلام کے نفاذ کی تدبیر سوچنے کی نسبت پورے برصغیر میں اسلام کی دعوت دیکر مسلمانوں کی اکثریت پیدا کر لینے کی تجویز زیادہ معقول اور مناسب تھی اور یہی تجویز حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار کے پیش نظر تھی۔

سلہری صاحب لکھتے ہیں:

"علامہ (اقبال) نے فرمایا کہ اگر ایک قوم مختلف مذاہب کے پیروؤں سے عبارت ہو گی تو اسے متحد رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہو گا کہ شامل ہونے والے قومی اجزاء اپنے اپنے مذہب کو پس پشت ڈال دیں کہ ان کا احساس اور ان پر عمل تشتت و افتراق بھی پیدا کرے گا۔"

یہ اس علامہ اقبال کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے جس نے لکھا ہے۔ ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

کیا سلہری صاحب علامہ اقبال کے حوالے سے روس اور چین کے مسلمانوں کو یہ سبق دے سکتے ہیں کہ:

۱۔ آپ لوگ اپنے اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے پاکستان چلے آئیں۔

۲۔ اپنے اپنے علاقوں میں علیحدہ حکومتیں قائم کر لیں۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر

۳۔ اپنے اپنے مذہب کو پس پشت ڈال دیں۔

سلہری صاحب یا تو کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنے ماحول سے باہر دیکھنے کی صلاحیتوں سے محروم

ہیں۔ اور یا جان بوجھ کر جاپان سے امریکہ تک کے ممالک میں آباد مسلمان اقلیتوں کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتے ہیں یا ان کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے مسلمان برصغیر میں تمام غیر مسلم اقوام یا قبائل کے مقابلے میں تو اقلیت میں ضرور تھے، لیکن فرداً فرداً کسی مذہب کے ماننے والوں کے مقابلے میں مسلمان اقلیت میں نہیں تھے۔ سلہری صاحب اور ان کے ساتھیوں نے برصغیر کے تمام غیر مسلم اقوام کو ہندو سمجھ کر اور پھر ہندو سے مراد ایک مخصوص مذہب تصور کر کے علماء حق کے مقابلے میں اپنی سیاسی بے بصیرتی کا ثبوت دیا ہے۔ ہندو ایک قوم ہے، ایک نسل ہے، ایک ذات ہے۔ یہ کوئی ایک مذہب نہیں ہندو لوگ درجنوں مذاہب میں بٹے ہوئے لوگ ہیں، ان میں اختلافات کی نوعیت، مسلمان اور غیر مسلمان میں اختلافات کی نوعیت سے کسی طرح مختلف نہیں یہ کسی کتاب، کسی نبی رسول یا رشی، کسی بت، مندر یا دیوتا پر متفق نہیں ہیں۔ ان میں بہت سے فرقے اور گروہ ایسے ہیں جو از روئے عقائد و نظریات مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ ایک برہمن مسلمان سے اس قدر نفرت نہیں کرتا جس قدر اسے شودر سے نفرت ہے ایک مسلمان شودر کو گلے لگا سکتا ہے، اس کے دکھ درد میں شریک ہو کر اس کو اپنے اخلاق اور کردار سے متاثر کر سکتا ہے، لیکن ایک برہمن کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ یہ ہماری نالائقی اور بے ہمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ ہم نے سکھوں کو ہندوؤں سے ملا دیا، اور اس طرح جس مذہب کا بانی گرونانک ہندومت چھوڑ کر مسلمان ہو گیا تھا یا اسلام کے قریب آگیا تھا، ہم نے اس کے ماننے والوں کو دھکے دیکر ہندوؤں کی طرف پھینک دیا۔ اور پھر اپنی اقلیت کا رونا رونے لگے۔

سلہری صاحب کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندوستان میں ایک سو کے قریب مذاہب کے ماننے والے چالیس کروڑ انسان آباد تھے ان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ تھی یعنی سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی تھی۔ ہم مسلمان اس ملک کے عوام کو اسلام کی دعوت دے کر حلقہ بگوش اسلام بنا سکتے تھے۔ اگر یہ لوگ آج دہریت کی طرف جا سکتے ہیں تو ہم دعوت دیتے تو اسلام کی طرف بھی آسکتے تھے۔ اور ہم ان مذاہب کے لوگوں کو ایک ایسے نظام میں شریک کر سکتے تھے جس میں رسول اکرمؐ نے مدینہ منورہ کے یہودیوں کو شریک فرمایا تھا۔

سلہری صاحب یا تو پرلے درجے کے احمق ہیں نہیں تو وہ جان بوجھ کر عوام کو دھوکے میں رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حضرت اقبالؒ کا نام لیکر لکھتے ہیں ؛

علامہ نے فرمایا کہ مولانا نے مسلمانوں کے سامنے دو غلط اور خطرناک نظریئے رکھے ہیں۔

ایک یہ کہ مسلمان بحیثیت ہندی قوم ملتِ مسلمہ سے مختلف تشخص کے حامل ہیں۔ دوسرے قوم کی حیثیت سے انہیں ہر غیر قومی چیز بشمول مذہب کو تیاگ کر ہندوستانی قومیت میں ضم ہو جانا چاہیئے"

جن لوگوں کو علمائے حق کی صحبت نصیب ہوئی ہے، اور جن لوگوں نے حضرت مدنیؒ مرحوم کو دیکھا ان کی باتیں سنی یا آپؒ کی تالیفات و تصانیف کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ جن لوگوں کو تحریک آزادی میں شریک جماعتوں کے بارے میں معمولی سی واقفیت بھی ہے وہ سلہری صاحب کی اس غلط بیانی اور افترا پردازی کے خلاف دل کی گہرائیوں سے صدائے احتجاج بلند کریں گے کہ گویا حضرت مدنیؒ نے مسلمانوں کو مذہب کے ترک کر دینے کی رائے دی تھی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اقبالؒ نے حضرت مدنیؒ کے بارے میں اس قسم کی رائے کا اظہار ہی نہیں کیا اور اگر خدانخواستہ اقبال نے ایسا کہا ہے تو موصوف نے بھی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اقبال شاعر تھا قادر الکلام شاعر تھا، فلسفی تھا۔ اس کے خیالات میں اچھائی کا عنصر غالب ہے، لیکن اقبال کو یہ حق ہرگز ہرگز نہیں دیا جاسکتا کہ وہ حضرت مدنی جیسے ولی اللہ کے بارے میں ایسی باتیں بیان کرے۔ ویسے ہمیں یقین ہے کہ اقبال نے ایسی عبارت ہرگز نہیں کی اور سلہری صاحب نے حضرت مدنیؒ پر الزام تراشی کے ساتھ ساتھ اقبال کے حق میں زیادتی اور بہتان تراشی سے کام لیا ہے۔

مولانا مدنیؒ تو خیر ایک بلند پایہ عالمِ دین اور بزرگ تھے۔ آپ کی دینی اور سیاسی بصیرت کی ایک دنیا قائل ہے، آپ کے کردار اور اسلام دوستی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ یہ باتیں جو سلہری صاحب نے اقبال کا نام لیکر حضرت مدنیؒ کیطرف منسوب کی ہیں دیوبند کے کسی طالب علم کے بارے میں بھی ایسا تصوّر نہیں کیا جاسکتا، جن کا اٹھنا بیٹھنا دین تھا۔ ان کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے مسلمانوں کو مذہب تیاگ دینے اور اسلام چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اگر جھوٹ نہیں تو پھر جھوٹ نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔

سلہری صاحب نے آگے چل کر قوم اور ملت کے مسئلے پر گفتگو کرنے کی کوشش کی ہے، اور وہی بہکی بہکی باتیں کہی ہیں جو ایک عرصہ تک ہمارے مہربان طلوع اسلام والے پرویز صاحب کہتے چلے آئے ہیں۔ ہماری بار بار کی درخواستوں کے باوجود پرویز صاحب یہ نہیں بتا سکے کہ قرآن کریم میں قارون اور موسیٰ کو دین میں اختلاف کے باوجود ایک قوم قرار دیا گیا ہے، اور رسول اکرمؐ نے کفارِ مکہ کو اسلام دشمنی کے باوجود اپنی قوم کہہ کر مخاطب فرمایا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار کی مجال نہیں کہ پاکستان میں بسنے والے غیر مسلمانوں کیساتھ

ہمارا ایک ایسا تعلق اور ربط ضرور ہے، جو کسی دوسرے ملک میں آباد مسلمانوں کے ساتھ نہیں۔ ہم ہزار مسلمانوں کے ہمدرد، خیر خواہ اور ہم خیال ہوں۔ بھارت میں آباد مسلمانوں کا ایک خاص تعلق بھارت میں بسنے والے کروڑوں غیر مسلمانوں کے ساتھ ہے جو ہمارے ساتھ نہیں۔ یہ تعلق جو ایک ملک اور ایک سیاسی وحدت میں بسنے والے لوگوں کا آپس میں ہوتا ہے۔ اس کا نام قومی تعلق رکھ دینے سے اس ملک میں بسنے والے مختلف المذاہب لوگوں کی مذہبی حیثیت متاثر نہیں ہوتی پاکستانی قومیت سے مراد وحدت کا وہ تصور ہے جو پاکستان میں بسنے والے شہریوں (عوام) میں پایا جاتا ہے اور جدید سیاسی اصطلاح میں اس تعلق کو "قوم" (NATION) کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کے نزول کے عہد میں نسل خاندان اور خونی تعلق کے لئے قوم کا لفظ مستعمل تھا۔ اور اس تصور کی رو سے راجپوت ایک قوم ہیں۔ خواہ ان میں سے بعض کا مذہب دوسروں کے مذہب سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس ایک مذہب اور ایک نظریہ یا عقیدہ سے پیدا ہونے والی وحدت کو "ملّت" کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ساری دنیا کے مسلمان ایک قوم نہیں بلکہ ایک ملّت ہیں۔ یہی اصطلاح قرآنِ کریم نے استعمال کی ہے اور اسی کو حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار نے اپنایا ہے۔

"الحق" کے قارئین کرام سوچ رہے ہوں گے کہ آخر یہ سلہری صاحب ہیں کون اور انہیں علمائے حق سے دشمنی ہے تو کیوں ہے۔؟ اسی بارے میں ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے۔ اس ذاتِ شریف کے بارے میں ہفت روزہ "الفتح" کراچی کے ایڈیٹر وہاب صدیقی صاحب نے جو معلومات فراہم کی ہیں وہ انہی کے الفاظ میں پیش کئے دیتے ہیں۔ سلہری صاحب کے بارے میں وہاب صاحب "الفتح" کے شمارہ نمبر ۲۸ جلد نمبر ۷ میں فرماتے ہیں۔

> "سلہری کی پہلی بیوی غالباً میرٹھ کی رہنے والی تھیں ان سے سلہری کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اب ان کی شادی ہو چکی ہے وہ بھی قادیانی ہے، اس کا شوہر بھی قادیانی ہے، بچے بھی قادیانی ہیں ان کے ماں باپ بھی قادیانی تھے جب سے قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے بہت سے دوسرے قادیانیوں کی طرح سلہری بھی راتوں رات مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ حج بھی کر آئے اور الحاج بن گئے"۔

میرا خیال ہے کہ وہاب صدیقی صاحب کے ان کلمات کے بعد علمائے حق سے سلہری صاحب کی دشمنی کی وجہ خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اور اپنی طرف سے کچھ لکھنا چنداں ضروری نہیں رہا۔